پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان

اوراب آسمانی حقائق ....!

یہ کون ہیں جن کا خون بہا

وہ کون سمندر پار ہنسا

یہ کون ہیں، جن کا خون ہمارے ہمسائے میں اس قدر ارزاں ہوگیا ہے؟ یہ خون انسان ہی کا ہے۔گوشت پوست کے انسان روئے زمین پر جہاں بھی رہتے ہیں، ان کے خون کا رنگ ایک ہے، خون پھر خون ہے، چاہے مغرب میں بہے یا مشرق میں، گورے کا ہو یا کالے کا، لیکن انسانی حرص و ہوس کا برا ہو کہ اس نے انسانوں کے درمیان نسلی اور گروہی امتیازات....... پیدا کردیئے۔ اور اسی بہانے اپنی ہی نوع کا شکار اس کا محبوب ترین مشغلہ بن گیا۔تاریخ بتاتی ہے کہ ماضی میں نسلی بقا د تحفظ کا جذبہ انسانوں کو باہم برسر پیکار رکھتا تھا۔ اسی کی بدولت تہذیبی شناخت کے حوالے وجود میں آئے تھے۔ اور اسی وسیلے سے علاقائی گروہ بندیاں ابھریں، اور تصادم کی نئی نئی راہیں کھلیں۔ اور جس وقت نوع انسان کی نسلی اور قبائلی تفریق و تقسیم عروج پر تھی تو خالقِ کائنات نے اپنا ایک برگزیدہ بندہ بھیجا، جس نے تمام امتیازات مٹا دیئے اور انسانی مساوات کا چارٹر دیا۔ یہی چارٹر اس سے پہلے بھی وقتاً فوقتاً اس کے خاص بندے لاتے رہے تھے۔

حق شناسی اور انسانی مساوات کا یہ پیغام امن وانصاف کا عالمگیر نظریہ بن کر سامنے آیا۔ اسے منوانے کیلئے حق کے پاسبانوں کو ہمیشہ بڑی بڑی فرعونی اور طاغوتی طاقتوں سے ٹکر لینی پڑی۔ بڑے زوروں کے معرکے ہوئے۔ نسلی و گروہی، مادی مفادات اور ملک گیری کی ہوس میں رونما ہونے والے تصادم اور ان کے نتیجے میں اٹھنے والے طوفانوں سے قطع نظر، اگر دیکھا جائے تو اصل آویزش حق و باطل، نیکی و بدی، سچ اور جھوٹ اور کفر و ایمان کے درمیان ہے جو ازل سے تا امروز جاری ہے۔ اور اب ہمارے مغربی پڑوس میں جو ہنگامہ برپا ہے اور جس کی چنگاریاں ہمارے دامن پر بھی گر رہی ہیں، عصری تاریخ میں یہ نظریاتی آویزش کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے۔ آج ہماری آنکھیں ایک ایسی آویزش کا تماشا کر رہی ہیں، جس میں ایک طرف باطل قوتیں تمام وسائل سے لیس ہیں۔ وہ مروجہ پیمانوں میں اسیر شائستگی، معقولیت اور مادی اسباب سے آراستہ نظر آتی ہیں۔ لیکن بظاہر روشن چہروں کے پیچھے تہذیبی تفوق، نسلی تفاخر اور فرعونی عظمت کا سکہ جمانے کے پست اور قبیح عزائم کارفرما ہیں۔ مادی اور جبروتی قوتوں کے اس ''عظیم الشان'' اجتماع میں ایسی قومیں بھی شامل ہیں، جو بزعم خود سچائی امن انسان دوستی کی پاسداری کا دم بھرتی ہیں۔ دوسری طرف جو انسانی گروہ تمام تر بے سروسامانی کے باوجود استقامت کے ساتھ اپنے قدموں پر کھڑا ہے۔ اس کے پیش نظر ملک گیری کی ہوس نہیں بلکہ انصاف، امن ومساوات اور حق کی سربلندی وسرفرازی مطمع نظر ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے ہمیں ماضی قریب کی تاریخ میں جھانکنا ہوگا۔

پچیس برس قبل جب اشتراکی استعمار نے ہزیمت اٹھا کر افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلائیں تو اس ملک میں لاقانونیت اور انتشار اپنے عروج کو پہنچا ہوا تھا۔نسلی گروہوں نے اپنے اپنے علاقے میں جبر اور بربریت پھیلا رکھی تھی، خانہ جنگی اور لاقانونیت عروج پر تھی۔ایسے میں مجاہدین آزادی طالبان کے نام سے اٹھے،اور بغیر خون بہائے پچانوے فیصد علاقے پر قابض ہو کر ایک نظریاتی اسلامی حکومت قائم کی۔انہوں نے پانچ سال کے عرصے میں امن و انصاف کی حکمرانی استوار کی،اور آج جن ناسوروں نے دنیا بھر کے ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ ملکوں میں عفریت کی صورت اختیار کر رکھی ہے،ان کا استیصال کیا۔چوری، ڈاکہ زنی، لاقانونیت قتل و غارت،لوٹ کھسوٹ، بلیک مارکیٹنگ اور جبر و استحصال کا قلع قمع کیا۔خود مغربی دنیا یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ جب امیرِ ملک نے کہہ دیا کہ ’’اب ملک میں افیون، چرس، ہیروئن کا کاروبار نہیں ہوگا‘‘ تو واقعی اس عالمگیر لعنت کا صفایا ہو گیا۔۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۱ء کے مختصر عرصے میں طالبان کی حکومت نے ملک کو عریانی ،فحاشی اور بے آبروئی سے پاک کیا۔آزادیٔ نسواں کے نام پر آج ساری دنیا میں عورت جس جبر اور مظلومیت کا نشانہ بنی ہوئی ہے،اس کی مثال نوع انسان کے تاریک ترین ادوار میں بھی نہیں ملتی۔طالبان کی حکومت کا بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنے ملک میں عورت کو شرف نسوانیت کے جوہر سے مالا مال کیا۔

یہ سب باتیں ’’چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر‘‘ مغربی اقوام کو اس لئے ایک آنکھ نہ بھائیں کہ طالبان کی حکومت نے اسلامی نظریہ حیات کی روشنی میں ایک فلاحی ریاست کا عملی نمونہ پیش کر دیا کیونکہ اسلام انسان کو محض مادی مخلوق یا محض حیوان تصور نہیں کرتا بلکہ اسے تمام مخلوقات میں اشرف قرار دیتا ہے،اس کے نزدیک فطرت کے مقاصد کی تکمیل بنیادی نصب العین ہے اور فطرت کے مقاصد میں حق پرستی ،انصاف ،امن اور مساوات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔اس کے برعکس اقوامِ غرب اور ان کی تقلید میں بے شمار دوسری اقوام کے ہاں جو تصور کیا جاتا ہے۔ان کے نزدیک روئے زمین کے جملہ وسائل خاص انسانی گروہوں کیلئے تسکین و راحت اور حصولِ مسرت کے وسیلے کا درجہ رکھتے ہیں۔جنہیں پانے کیلئے وہ کسی کوڈ یا ضابطے کے پابند نہیں ہیں۔بالالفاظ دیگر ان کے نزدیک زمینی لذتوں اور راحتوں پر تمام انسانوں کا یکساں حق نہیں ہے جو بڑھ کر بلکہ لڑ کر زبردستی جام اٹھالے، مینا اسی کا ہے۔چنانچہ آج کے عالمی تناظر میں ایک آویزش تو اسبابِ عشرت و راحت کے حصول کی خاطر ہو رہی ہے۔جسے خواہش جام و صنم و زر اور ہوس ملک و اقتدار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔اس خواہش یا ہوس کی بھینٹ ماضی کی طرح آج بھی بے شمار کمزور اور مظلوم اقوام بن رہی ہیں اور آئندہ بھی بنتی رہیں گی، لیکن جیسا کہ ذکر ہوا، اصل جنگ خوب و ناخوب کی ہے۔جسے ہم حق و باطل، کفر و ایمان اور سچ اور جھوٹ کے عنوانوں سے تعبیر کرتے ہیں۔اب کی بار یہ معرکہ دونوں طرف تیاری کے ساتھ شروع ہوا ہے۔باطل اپنے تمام تر مادی وسائل کے ساتھ میدان میں اترا ہے،اس کے دامن میں جدید ترفنی ،تکنیکی اور میکانکی مہارتیں ہیں، جنہیں وہ

سفاکانہ جارحیت کے ساتھ بے دریغ استعمال کر رہا ہے۔ دوسری جانب حق قوت ایمانی کے ساتھ نہایت استقامت سے مقابلہ کر رہا ہے۔ دونوں طرف انسان ہیں، ایک فریق کے پاس مادی وسائل مجتمع ہیں اور دوسرے کے ہاں شرف انسانیت کا نصب العین ہے۔ گو زمینی حقائق بظاہر مادی قوتوں کی فتح و کامرانی کی خبر دے رہے ہیں، لیکن کچھ آسمانی حقائق بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آخری اور حتمی فیصلے زمین پر کبھی نہیں ہوتے، یہ ہمیشہ افلاک پر ہوتے ہیں۔ اصل حقائق ظاہر بین آنکھ کو نظر نہیں آتے۔ اب کی بار بھی یقیناً آخری فتح حق کی ہوگی۔ ابھی مادی طاغوتی قوتوں نے اپنے جارحانہ عزائم کا مظاہرہ کیا ہے اور بتایا دکھایا ہے کہ وہ سفاکی کی کس حد تک جا سکتے ہیں؟ دوسری طرف حق و انصاف کے پاسداروں نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف کہاں تک صبر و استقامت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ افغانستان میں ہونے والی حالیہ آویزش محض ابتدائیہ تھی، یہ بے سروسامانی کے خلاف یک طرفہ جارحیت تھی۔ اصل جنگ تو ابھی ہوئی ہی نہیں اور آخری اور حتمی فیصلہ ہمیشہ جنگ کے بعد ہوتا ہے۔ سمندر پار رہنے والوں کو تصویر کا اصل رخ بھی دیکھنا چاہیے، اور زمینی حقائق کے اسیروں کو آسمانی حقائق بھی پیش نظر رکھنے چاہیں۔

بقیہ از صفحہ ۴۸

ہاں تمہارے ساتھ ایک تعلق بن گیا ہے، میں تمہارے لئے گوشت تو نہیں، گھاس کا انتظام کر سکتی ہوں''

یہ سن کر شیر کی آنکھوں میں خون اتر آیا، وہ اس پر حملہ کرنے کیلئے جھپٹا، مگر لومڑی جو پہلے سے چوکس تھی اور شیر جو ایک دن کے فاقے سے نڈھال تھا، اسے پکڑنے میں ناکام رہا۔

تیسرے دن لومڑی پھر اس کے پاس آئی، شیر نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا، اس نے لومڑی کو دیکھا تو کہا'' مجھے گھاس کھانا منظور ہے، خدا کیلئے کہیں سے میرے لئے گھاس کا انتظام کرو، میں تو چل پھر کر اب گھاس بھی تلاش کرنے کے قابل نہیں رہا'' لومڑی نے اس کی بے بسی دیکھی تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ اس نے کہا'' گھاس بھی تمہیں اس شرط پر مل سکتی ہے کہ تم اپنے منہ سے میاؤں کی آواز نکال کر دکھاؤ'' یہ سن کر شیر کا جی چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے لیکن جسے اپنے وقار سے زیادہ اپنی جان عزیز ہو اس کی اس طرح کی خواہش پوری نہیں ہوا کرتی، چنانچہ شیر نے اپنی جی کڑا کر کے منہ سے میاؤں کی آواز نکالی اور پھر رحم طلب نظروں سے لومڑی کو دیکھنے لگا!

لومڑی نے اسے حقارت سے دیکھا اور کہا'' یہ میاؤں کی آواز تم نے صحیح نہیں نکالی، کچھ دن ریاضت کرو، جب تم میاؤں کی آواز بالکل صحیح نکالنے میں کامیاب ہو جاؤ گے اس دن سے تمہیں باقاعدگی سے گھاس ملنا شروع ہو جائے گی''

آخری اطلاعات آنے تک یہ شیر ان دنوں منہ سے میاؤں کی آواز نکالنے کی ریاضت میں مشغول ہے، اسے اس میں کافی دسترس حاصل ہوتی جا رہی ہے۔